# جدید اردو غزل میں تصورِ حُسن و عشق

صائمہ علی
راحیلہ کوثر

**Abstract:**

Love has been well-dealt Subject matter in Urdu genre, Ghazal since from the classical age to the contemporary one. Nevertheless, this subject matter has never been addressed same everywhere; it kept on switching itself according to the societal shift about love relationship, if the beloved was callous in the classical Urdu Ghazal, the lover has sharply changed his/ her role in the contemporary presentation. To study the love themes in the contemporary Ghazal in contrast with the classical Ghazal underpins the bond of socio-literary layers of understanding. This search article aims at finding the paradigm shift of love and hatred relationship in the context of contemporary and classical Ghazal. This may help us define some of the modes of Urdu Ghazal and the shifts of emotional science in the line with the recent cultural and moral shift.

حسن و عشق اُردو شاعری خصوصاً غزل کا سب سے بڑا موضوع ہے۔ غزل کے منظر نامے میں کرداروں کی خصوصیات متعین ہیں۔ یہاں محبوب بے وفا، بے ادب، ظالم اور بے حد حسین ہے اس کے مقابلے میں عاشق باوفا، باادب، باہمت اور بے حد صابر ہے۔ یہ روایات فارسی غزل سے ورثے میں ملیں جسے اردو غزل نے بڑی کامیابی سے اپنایا۔ صدیوں کے سیاسی سماجی تغیرات کے باوجود محبوب اور عاشق کے کرداروں میں جدید زمانے کی عکاسی کم ملتی ہے۔ بیسویں صدی کے ہنگامہ خیز عالمی منظر نامے نے اردو غزل کو بھی متاثر کیا۔ عالمی جنگوں، انقلاب روس، سرمایہ داری نظام، سائنسی ترقی، ہندوستان میں آزادی کی تحریک نے عام انسان کے ساتھ شاعر کے زاویہ نگاہ کو بھی مُتاثر کیا خصوصاً ترقی پسند تحریک نے تصور حسن و

عشق کے معیارات کو تبدیل کیا۔ پہلے غم جاناں غم دنیا کو فراموش کر دیتا تھا لیکن اب غم دنیا غم جاناں سے اہم ہو گیا۔ مجنوں کی صحرا نوردی اور فرہاد کی کوہ کنی آج کے عاشق کی پہچان نہیں اُس کے لیے عشق کل وقتی کام نہیں ایک مشغلہ ہے۔ عاشق کی دیوانگی فرزانگی میں بدلتی محسوس ہوتی ہے۔ قدیم اور جدید عشق کے معیارات پر سوال کلاسیکی عہد میں ہی شروع ہو گئے تھے۔ غالب کار دنیا میں سر کھپانے کے بعد عشق کو وبال قرار دیتے تھے۔ بدلتے زمانے میں عشق کے متعلق ان کا نقطہ نظر اس خط سے واضح ہوتا ہے۔

”غزل کا ڈھنگ بھول گیا معشوق کس کو قرار دوں جو غزل کی روش ضمیر میں آئے رہا قصیدہ تو ممدوح کون، ہائے انوری گویا میری زبان سے کہتا ہے:

اے دریغا نیست ممدوحے سزا وار مدیح
اے دریغا نیست معشوقے سزا وار غزل[1]

کلاسیکی دور میں بھی جب شاعر قتل عاشقاں، کشتوں کے پُشتے، صحرا نوردی، کوہ کنی کا ذکر کرتا تھا تو اس کا تعلق حقیقت کے بجائے روایت اور تخیل سے تھا۔ جدید غزل کا محبوب ہاتھ میں تلوار لے کر نہیں گھومتا اور نہ ہی عاشق گریبان چاک کر کے صحراؤں کا رُخ کرتا ہے۔ روایت اور حقیقت کے اس فرق کا احساس جدید غزل گو بھی ہے کہ وہ اس تخیلاتی فضا کے بجائے آج کی دنیا کے ہموار ماحول میں شاعری کر رہا ہے:

ہمارے دل کو اِک آزار ہے ایسا نہیں لگتا
کہ ہم دفتر بھی جاتے ہیں غزل خوانی بھی کرتے ہیں[2]

جدید غزل کے منظر نامے میں اہم تبدیلی اس کا حقیقت سے مضبوط تعلق ہے۔ آج کا شاعر غزل میں عشق کے وہ معیارات پیش کرتا ہے جو فی زمانہ رائج ہیں اس وجہ سے تصورِ عشق تخیلاتی کے بجائے حقیقی فضا کی عکاسی کرتا ہے۔ سید احتشام حسین کے مطابق:

”محبت کا حقیقت پسندانہ تصور عاشق و معشوق کو نئی شکل میں جلوہ گر کرتا ہے۔ امرد پرستی، رقیب دشمنی کے ساتھ ہی ساتھ روایتی ظالم و مظلوم محبوب و عاشق بھی ختم ہو گئے ہیں ان کی جگہ انسانی معیار سے قریب تر کردار وجود میں آ گئے ہیں۔“[3]

فاضل نقاد کی رائے توثیق کرتی ہے کہ جدید غزل کلیشوں کی بجائے جدید انسانی زندگی کے کرداروں کو پیش کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں غزل کے روایتی کرداروں مثلاً رقیب کی جگہ تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ اس کی ایک وجہ جدید انسان کا اعتماد ہے جبکہ ''رقیب اپنی ذات پر بے اعتمادی کا نام ہے۔''[۴]

عاشق کے کردار میں تبدیلی کی وجہ محض سماجی تغیر نہیں اس میں تصور محبوب کی تبدیلی بھی شامل ہے۔ کلاسیکی محبوب ناممکن الحصول تھا وہ اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ پردے کا رواج، پاسبان کا ڈر اور پھر عاشق کا پاس ادب محبوب کے حصول کو مشکل تر بناتے تھے کہیں ''دور بیٹھا غبار میر اُن سے'' اور کہیں ''راہ میں ہم ملے کہاں بزم میں وہ بُلائیں کیوں'' کی کیفیت سامنے آتی تھی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جس چیز کا حصول جتنا دشوار ہو اس کی طلب اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔ کلاسیکی محبوب کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے بھی عاشق کو بہت پاپڑ بیلنے پڑتے تھے۔ برات عاشقاں بر شاخ آہو کے مصداق وصل عاشق کے لیے ایک خواب کی حیثیت رکھتا تھا، چنانچہ محبوب کے حصول کے لیے وہ بڑی سے بڑی تکلیف ہنس کر برداشت کرتا تھا۔ جدید دور میں محبوب کا حصول مشکل نہیں اب محبوب ماورائی نہیں زمینی ہے جو عاشق کو آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے۔ اس سے پہلے لکھنؤ کے محبوب میں بھی یہ خصوصیت تھی لیکن اس کی وجہ اس کا شمع محفل ہونا تھا جس کا حصول دولت سے ممکن تھا۔ لیکن جدید محبوب چراغ خانہ ہونے کے باوجود ممکن الحصول ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اس میں مغربی تہذیب کے اثرات، پردے کا ختم یا کم ہونا، عورت کا تعلیم اور ملازمت کے لیے باہر نکلنا، مخلوط محفلیں اور دوسرے عوامل شامل ہیں۔ جب معاشرے میں مرد وزن کے اختلاط کے عام مواقع پیدا ہوئے تو عاشق کے لیے محبوب کا حصول بھی آسان ہوا۔ عاشق کو دیدار کے لیے اس کی دہلیز پر بیٹھنے اور پاسبان کی منت کی ضرورت نہیں۔ اب اس سے ملاقات باآسانی پسندیدہ ماحول میں ہو سکتی ہے۔ اقبال ساجد نے اس بدلتے تناظر کی عکاسی بہت عمدگی سے کی ہے:

شہر کے باغ میں ہو جائے ملاقات تو پھر
کون گلیوں میں رُکے کون پسِ چق ٹھہرے[۵]

جدید مغربی تہذیب، آزادی نسواں، آزادی اظہار، روشن خیالی نے تصور محبوب کو بھی متاثر کیا اب وہ بھی روایتی محبوب کی طرح خنجر ہاتھ میں لیے تن کر نہیں بیٹھتا بل کہ خود بھی ملاقات پر تیار رہتا ہے۔ مثلاً:

اب تو جیسے خود بھی آنا چاہتا ہے وہ ظفرؔ
گھر گلی ہوٹل جہاں چاہو وہیں آجائے گا ۶؎

سلیم احمد جدید محبوب کے متعلق لکھتے ہیں:

"ایسے محبوب کی سنگت میں رقابت اور جلن ہے تو اس کا ذائقہ پہلی رقابتوں سے خاصا بدلا ہوا ہے ایک تبدیلی یہ بھی ہے کہ اس سے ملاقات کے لیے مستقل کوئے رقیباں یا بالائے بام کی شرط نہیں رہی اب وہ سڑکوں پر مکانوں کے زینوں میں، پائیں باغ کے کونوں میں، بازاروں کے چوراہوں پر اور بک سٹالوں پر ملنے لگا ہے۔"۷؎

جدید تصور محبوب کی تشکیل کے متعلق ڈاکٹر ساجد امجد لکھتے ہیں:

"مغربی تہذیب کے مادی اصولوں نے جس طرح زندگی کے دوسرے حصوں کو متاثر کیا ہے اسی طرح عشق بھی تبدیل ہوا ہے۔ اب کسی ماورائی عشق اور تجریدی محبوب کی گنجائش نہیں اب زندگی کی بنیادی قدر آسودگی روح نہیں آسودگی جسم ہے۔"۸؎

موجودہ زمانے میں نوجوانوں کے جنسی ہیجان، انٹرنیٹ کی دستیابی، فحش بصری مواد کی تلاش میں پاکستان کا اونچا درجہ، خواتین سے نازیبا حرکات اور جنسی زیادتی کے واقعات میں اضافہ ایسے عوامل ہیں جنہیں دیکھ کر ڈاکٹر ساجد کی رائے درست معلوم ہوتی ہے کہ عشق روح کی نہیں جسم کی آسودگی کا نام ہے۔

سلیم احمد نے اپنی کتاب "نئی نظم اور پورا آدمی" میں تصور عشق کے اس پہلو پر کھل کر اظہار کیا ہے کہ کلاسیکی شاعری اور اس کے بعد بھی ہمارے شاعر معاشرے اور اخلاقیات کے ڈر سے اپنی جنسی خواہشات کو بر ملا بیان نہیں کرتے۔ وہ خود اپنی غزل میں اس رویے پر کھل کر بات کرتے ہیں۔

عشق اور اتنا مہذب چھوڑ کے دیوانہ پن
بند اوپر سے تلے تک شیروانی کے بٹن

میں جسم کی طلب پہ پشیماں تھا اب کھلا
وہ میری جان تھی جو تمہارے بدن میں تھی۹؎

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نئے دور کا عاشق جسم کی پکار پر پشیمان نہیں۔ ادبی تحریکوں خصوصاً ''جدیدیت'' میں اسے ایک فطری تقاضا قرار دیا گیا ہے۔ ساقی فاروقی کی غزل میں بھی اس کا واضح اظہار ملتا ہے جس میں محبوب بھی شریک نظر آتا ہے۔

وہ میری روح کی الجھن کا سبب جانتا تھا
جسم کی پیاس بجھانے بھی راضی نکلا

اس نے ٹیلی فون کیا ہے اور کسی کے ساتھ ہے
اس کا میرا سمجھوتہ ہے کون بڑھائے بات کو۱۰؎

مصطفی زیدی اپنی غزل کے محبوب کے بارے میں کہتے ہیں ''تعلقات عامہ کے زمانے کا محبوب نہ مغل لباس پہنتا ہے نہ ہزار چلمنوں میں رہتا ہے۔''۱۱؎

فن کار خود نہ تھی مرے فن کی شریک تھی
وہ روح کے سفر میں بدن کی شریک تھی۱۲؎

روح سے زیادہ جسم پر توجہ سے عاشق کے جذبات کی تسکین تو ہوئی لیکن بتدریج اس کے آسانی نے عاشق کو قرار کے بجائے قراری اور آسودگی کے بجائے اضطراب دیا۔ کلاسیکی عاشق کے لیے محبوب کا دیدار بھی بہت مشکل تھا وصال تو اس کے لیے خواب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مقابلے میں جدید عاشق دیدار سے وصال کی منزلیں اتنی سرعت سے طے کرتا ہے کہ اس کے اندر کوئی جذبہ کوئی کسک باقی نہیں رہتا۔ جسم کی قربت کے باوجود محبوب کی تلاش اکثر پائی جاتی ہے۔

ایسی راتیں بھی مجھ پہ گزریں ہیں
تیرے پہلو میں تیری یاد آئی
(ناصر کاظمی)۱۳

وہ ہم آغوش ہے تو پھر دل میں
نا سپاسی کہاں سے آتی ہے
(جون ایلیا)۱۴

ڈاکٹر وزیر آغا تصور محبوب کے اس پہلو کے متعلق لکھتے ہیں:

''بعض غزل گو شعرا کے ہاں محبوب ان کی تمناؤں اور آرزوؤں کی منزل نہیں رہا کیوں کہ محبوب سے قرب کے باوصف شاعر کی ذہنی تشنگی بدستور قائم رہتی ہے۔''۱۵

یہی وجہ ہے کہ جدید معاشرے کی طرح جدید غزل میں بھی ''تو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی'' کی کیفیت ملتی ہے۔

وبال جاں تھا بعد از وصال قرب اُس کا
بچھڑ کے خوش ہوں کہ وہ میری جان چھوڑ گیا
(صابر ظفر)۱۶

ہجر اچھا ہے نہ اب اس کا وصال اچھا ہے
اس لیے اور کہیں عشق لڑا کر دیکھو
(رئیس فروغ)۱۷

عاشق کی اس تن آسانی اور بوالہوسی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حُسن نے اپنے معیارات میں کمی کی ہے وہ عشق کو آزمائش میں نہیں ڈالتا عاشق کو اب آگ کے دریا سے ڈوب کر نہیں گزرنا پڑتا، عشق کی آزمائش اُسے کندن نہیں کرتی اس لیے عشق ایک بلند نصب العین کے بجائے ایک مشغلہ معلوم ہوتا ہے۔

حسن جب سے ہوا ہے کم آزار
عشق بھی بن گیا ہے دنیا دار
(سلیم احمد)۱۸

کلاسیکی عاشق محبوب کے ظلم و ستم اور بے وفائی کے باوجود اس کا گلہ کرنا معیوب خیال کرتا تھا لیکن جدید عاشق محبوب کی بے وفائی کا برملا اظہار کرتا ہے اور روایتی عاشق کے برعکس وفا کا تقاضا محبوب سے کرتا ہے۔ یہ بھی جدید معاشرے کا ایک رویہ ہے کہ ایمانداری کی توقع دوسروں سے کی جائے اور خود اس سے مبرا رہیں۔

میں اُس سے جھوٹ بھی بولوں وہ مجھ سے سچ بولے
مرے مزاج کے سب موسموں کا ساقی ہو ۱۹

کلاسیکی دور میں اکثریت مرد شعرا کی تھی اُن کا محبوب مذکر کے صیغے کے باوجود ایک عورت تھی۔ اس لیے غزل بطور محبوب مرد کے خدوخال اور نفسیات سے خالی تھی جدید غزل میں شاعرات کے قابلِ ذکر کام سے یہ اضافہ ہوا کہ عورت عاشق اور مرد محبوب کی صورت میں سامنے آیا۔ عورت مرد سے زیادہ حساس اور جذباتی ہوتی ہے چنانچہ شاعرات کی بدولت اردو غزل احساس اور جذبے کی نئی کیفیات سے آشنا ہوئی۔ اردو غزل میں مثبت خصوصیات مرد اور منفی عورت کے حصے میں آئی تھیں جبکہ اس کے برعکس ہمارے معاشرتی مزاج کے مطابق محبت، وفا، قربانی، ایثار، صبر جیسی خصوصیات عورت میں پائی جاتی ہیں۔

اس انداز سے شاعرات نے جدید غزل کو زندگی کے قریب کیا ہے۔ اس حوالے سے پروین شاکر کی غزل بہت اہمیت رکھتی ہے۔

کیسے کہہ دوں کہ مجھے چھوڑ دیا ہے اُس نے
بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی
وہ جہاں بھی گیا لوٹا تو مرے پاس آیا
بس یہی بات ہے اچھی مرے ہرجائی کی
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا ۲۰

کلاسیکی غزل کی رومانوی شعریات میں معروف مثلث (محبوب، عاشق، رقیب) پر سینکڑوں اشعار موجود ہیں۔ شاعر کا کردار عاشق کا رہا جو محبوب کے دیگر محبین کو حسد اور رشک سے دیکھتا آیا ہے۔ حسد کا یہ تصور جدید اور معاصر غزل میں تحلیل ہو چکا ہے۔ کلاسیکی مثلث میں محبوب کا جھکاؤ رقیب کی جانب ہوتا رہا، لیکن جدید طرز اظہار میں معاشرتی طور پر رشتوں کے الٹ پھیر سے اب رقیب اور عاشق دونوں ایک ساتھ برابر کے شریک غم ہیں بل کہ کہیں کہیں عاشق رقیب کو برتری دیتا بھی دکھائی دیتا ہے؛

جی نہیں مجھ کو نہیں دل میں اترنا آتا
میرے اک دوست کو یہ جادو گری آتی ہے
(مرزا مراتب)(۲۱)

جمع تھے رات مرے گھر ترے ٹھکرائے ہوئے
ایک درگاہ پہ سب راندہ درگاہ ملے
(عمیر نجمی)(۲۲)

معاصر غزل گو کے ہاں اکثر جزبہ محبت ایک ثانوی جذبہ دکھائی دیتا ہے۔ کارپوریٹ کلچر کے اثرات ہمیں جابہ جا معاصر غزل میں نظر آتے ہیں۔ محبت سے بیزاری یا اس جزبے کی اولین حیثیت سے انکاری ایک عام موضوع ہے۔ شاعر امروز کبھی تو معاش کو اس سے اہم بتاتا ہے اور کبھی اپنی ذات کو ترجیح دیتا ہے۔

ہم مضافات سے آئے ہوئے لوگوں کا میاں
مسئلہ رزق کا ہوتا ہے محبت کا نہیں
(جہانزیب ساحر)(۲۳)

میں ایک عمر اٹھائے پھرا محبت کو
پھر ایک دن یونہی سوچا یہ کیا مصیبت ہے
(انجم سلیمی)(۲۴)

محبت بسا اوقات نئی غزل میں ایک جنس کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ جنس سے مراد معاشی دنیا میں کموڈیٹی (COMMODITY) کی طرح کا کی کوئی شے۔ یہ بازار میں گراں قدر بھی دکھائی نہیں

پڑ تا۔ یوں جذبہ تسلط اور حبِ ملکیت کو بھی چوٹ پڑتی ہے۔ معاصر غزل لکھنے والے کے لیے محبت یا محبوب پر اجارہ داری کی روایتی خواہش دم توڑ چکی ہے۔

اپنے محبوب کو اجازت دو
کہ وہ خوش رہ سکے تمہارے بغیر
(ادریس بابر)(۲۵)

میں آس پاس میں آوازیں دیتا پھرتا ہوں
ہے کوئی جس کو محبت نہیں ملی ابھی تک
(انجم سلیمی)(۲۶)

بدلتے ہوئے سماج نے محبوب کی ایک جھلک دیکھ لینے کے پرانے سماجی ڈھانچے کو نئے میٹاورلڈ کے ساتھ کافی مختلف کر دیا ہے۔ اب شاعر کے لیے محبوب سے براہ راست پہلی ملاقات کا جذبہ یوں بھی معدوم ہو چکا ہے کہ مختلف بصری اور سمعی ایپس کی مدد سے یہ کام قدرے آسان اور عام ہو چلا ہے۔ آج کا شاعر اس کا اظہار اس شدت سے نہیں کرتا جس شدت سے روایتی غزل میں ملتا ہے۔

میری قسمت میں نہیں پہلی ملاقات کا رس
جس سے ملتا ہوں وہ پہلے ہی ملا ہوتا ہے
(شاہد نواز)(۲۷)

مجموعی طور پر اس موضوع پر بات کریں تو کلاسیکی اور جدید تصورِ حسن و عشق میں واضح فرق نظر آتا ہے اور اس فرق سے ہمیں معاشرے میں رشتوں کے نئے پیمانوں کا واضح نشانات ملتے ہیں۔ کلاسیکی شاعر میں عاشق محبوب اور دیگر کرداروں کی بیشتر خصوصیات متعین تھیں زیادہ تر مثبت خصوصیات عاشق اور منفی محبوب کے حصے میں آئیں تھیں لیکن جدید غزل میں عشق کا تعلق روایت سے زیادہ رشتوں کی زمینی حقیقت سے ہے اس میں انسانی زندگی اور کرداروں کی درست معاشرتی عکاسی ملتی ہے۔

## حواشی:

۱۔ غالب بنام چودھری عبدالغفور خان مشمولہ خطوط غالب، جلد دوم مرتبہ غلام رسول مہر، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء، ص ۵۵۰

۲۔ عرفان صدیقی، دریا (کلیات)، اسلام آباد: ابلاغ، ۱۹۹۹ء

۳۔ سلیم احمد، کلیات سلیم احمد، اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۳ء

۴۔ سید احتشام حسین، مضمون 'غزل میں محبوب کا بدلتا کردار 'www.rekhta.org/articles

۵۔ طارق کلیم، مضمون 'اردو غزل سے رقیب کی بے دخلی www.jang.com.pk'

۶۔ اقبال ساجد، اثاثہ (کلیات)، لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۰ء

۷۔ ظفر اقبال، اب تک (کلیات) جلد دوم، لاہور: ملٹی میڈیا افیئرز، ۲۰۰۵ء

۸۔ سلیم احمد، کلیات سلیم احمد، اسلام آباد: الحمرا پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۳ء

۹۔ ڈاکٹر ساجد امجد، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، کراچی: غضنفر اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص ۳۹۹

۱۰۔ سلیم احمد، مضمون 'جدید غزل' مشمولہ فنون غزل نمبر جلد اول، ۱۹۶۹ء، ص ۴۲

۱۱۔ ساقی فاروقی، زندہ سچ پانی (کلیات)، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء

۱۲۔ مصطفی زیدی، ابتدائیہ، کوہِ ندا، لاہور: ماورا پبلشرز، س۔ن، ص ۱۵

۱۳۔ مصطفی زیدی، کلیات مصطفی زیدی، لاہور: ماورا پبلشرز، س۔ن

۱۴۔ جون ایلیا، یعنی، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء

۱۵۔ ڈاکٹر وزیر آغا، اُردو غزل میں محبوب کا تصور، www.rekhta.org/articles

۱۶۔ صابر ظفر، مذہب عشق (کلیات 1)، کراچی: رنگ ادب، ۲۰۱۳ء

۱۷۔ رئیس فروغ، بیسویں صدی کی اُردو شاعری، لاہور: بک ہوم، ۲۰۰۳ء

۱۸۔ سلیم احمد، کلیات سلیم احمد

۱۹۔ افتخار عارف، مہر دو نیم، کراچی: اکیڈمک پریس ایجنسیز، ۱۹۸۳ء

۲۰۔ پروین شاکر، ماہِ تمام (کلیات)، اسلام آباد: مراد پبلی کیشنز

۲1. https://www.urdupoint.com/poetry/article/intekhab/intikhaab-by-tehzeeb-haafi-151.html

۲۲. https://rek.ht/a/1mny/3

۲۳. https://rek.ht/a/2494/3

۲4. https://rek.ht/a/0ky2/3

۲۵. https://m.facebook.com/story.php?story_fbid=pfbid0k5WeYKtvebuySZ8AzuCmPmo7ioTnKqp6YrKtEgYAXPBQ9V7DSKhTeTNWqAEAziGNl&id=745733000&mibextid=Nif5oz

۲۶. https://m.facebook.com/story.php?story_fbid=pfbid0XxJpfMA6suQuyRf5faPBWgcAUzAN357PF3AhiQxRPdpwyxYXzBJvzCShx5rgGHb8l&id=794028950692208&mibextid=Nif5oz

۲۷. https://m.facebook.com/story.php?story_fbid=pfbid02fmRJSzesFWAHyoHUhJfhVEZsCNtAFqsuMG8Y2VJv3ANKfE42FjvTVrETaFWiZ3S2l&id=252762028121228&mibextid=Nif5oz